Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:2، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

محمّد حفیظ خان کے ناول "ہر ایک جنم کی جانما" کا نو آبادیاتی مطالعہ

Muhammad Hafeez Khan's Novel "Har Aik Janam ki Janma" Reviewed: In A Colonial Perspective

Areej Fatima
M.Phil Scholar Department of Urdu ,
Govt. College Women University, Faisalabad
Dr. Tayyaba Nighat
Assistant Professor Department of Urdu ,
Govt. College Women University, Faisalabad.

اریج فاطمہ
ایم-فل سکالر شعبہ اُردو گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر طیبہ نگہت
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract

Muhammad Hafeez Khan is a distinguished name in contemporary Urdu literature, known for his critical engagement with postcolonial themes, cultural identity, and societal transformation. His work, particularly the novel "Har Aik Janam ki Janma", delves deep into the psychological and cultural aftermath of colonialism in South Asian societies. Through intricate narrative structures, symbolic expression, and a fusion of tradition and modernity, Hafeez Khan explores themes such as identity crisis, linguistic alienation, class division, and cultural Muhammad Hafeez Khan's contribution to Urdu fiction situates him among the key voices in postcolonial literary discourse in South Asia.

Keywords: *Colonial Perspective, Imperialism, Economic Exploitation, Cultural Conflict, Social Oppression*

کلیدی الفاظ: نو آبادیاتی تناظر، سامراجیت، معاشی استحصال، ثقافتی تضادم، معاشرتی جبر

اردو ناول نگاری میں ایسے تخلیق کار کم ہیں جنھوں نے تاریخ، ثقافت اور نفسیات کو اس قدر ہم آہنگی سے بیان کیا ہو جیسا کہ محمد حفیظ خان نے اپنے ناول "ہر ایک جنم کی جانما" میں کیا۔ یہ ناول بظاہر ایک تاریخی و رومانوی بیانیہ ہے، لیکن اس کے اندر نو آبادیاتی جبر، معاشرتی تضاد اور شناخت کی شکست و بازیافت کا گہرا نوحہ چھپا ہے۔ اس مقالے میں ناول کو نو آبادیاتی تناظر میں پڑھا جائے گا اور یہ دیکھا جائے گا کہ کس طرح مصنف نے برطانوی استعمار اور مقامی حکمرانوں کے گٹھ جوڑ کو دکھا کر ایک فکری ردِ عمل پیش کیا۔

انسان کا خود کو قائم رکھنا اور ترقی دینا حیات کہلاتا ہے۔ صدیوں پر مشتمل یہ حیاتیاتی عمل اسے زندہ رہنے، آگے بڑھنے اور افزائش دینے میں مدد کرتا ہے۔ انسان ایسا واحد جاندار ہے جو انحراف یا بغاوت کرتا ہے۔ جو پہلے سے متعین راستوں کے خلاف جا کر اپنے لیے راہ ہموار کر لیتا ہے۔ انسان میں شعور اور پختگی کا عمل شروع سے ہی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کے وہ ہمیشہ اپنی عملی زندگی میں متحرک رہا ہے۔ انسانی فطرت میں نو آبادکاری کے نقوش کو دیکھا جائے تو وہ ہمیں اولین تہذیبی مصروفیات میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آغاز میں انسان خوراک کے گروہ کی شکل میں موجود تھے۔ قبیلے کے نظام کو بہترین طریقے سے چلانے کے لیے ایک طاقت ور سردار کا ہونا ضروری ہوتا تھا جو قبیلے کے باقی افراد کی خوراک کا ذمہ اٹھا سکتا۔ اسی ذاتی ملکیت کی سوچ نے

ایک معاشرے کو تشکیل دی۔ جہاں انسان پاس فصل کی وسیع مقدار میسر ہوئی وہی طبقات اور طاقت کا تصور بھی ساتھ آیا اور انسان کو اپنی سماجی ضروریات کے لیے تجارت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ وہ مرحلہ تھا جہاں خارجی ریاستیں اپنی طاقت کے بل بوتے پر کمزور ملکیتوں جانوروں، ہتھیاروں، عورتوں، چراگاہوں، زمینوں اور افراد پڑنے لگیں۔ ملکیت سے شروع ہوتا سفر خاندان اور پھر قبیلے اور ریاست تک کے سفر نے انسان کو تہذیبی دور میں شامل کر دیا۔ وہی قبائل اس وقت قوموں، ملکوں اور معاشروں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ قوانین اور ضوابط کے تحت دنیا کی پہلی سلطنت وجود میں آئی اس کے بعد قدیم تہذیب کے ظہور سے تجارت کو فروغ ملا۔ اس دور میں خام مال اور مصنوعات کی خرید و فروخت ان کا اہم مقصد ہوا کرتا تھا اور اہم تجارتی منڈیوں میں ان کی نو آبادیاں موجود تھیں۔ جس کی بدولت وہ طاقت ور منظم اور ترقی یافتہ قومیں غیر منظم اور پسماندہ اقوام کو اپنے تابع کرتی ہیں۔ وقت کے ہاتھ جیسے معاشرہ منظم ہوا عسکری ادارہ بھی تنظیمی مراحل طے کرنے لگا۔ طاقت اور قبضہ کا یہ کھیل انسانی تاریخ میں چلتا رہا۔ یاسر جواد نو آبادیات کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

> ”نو آبادیات ایک ایسا نظام ہے جس میں ایک طاقت ور ملک کمزور ریاست پر براہِ راست اپنا عسکری، سیاسی، معاشی اور ثقافتی تسلط قائم کرتا ہے۔ اپنے اقتدار اعلیٰ کو وسعت دے کر دوسرے علاقوں پر قبضہ کیا جاتا ہے تاکہ مقامی آبادی کی افرادی قوت اور وسائل پر دسترس حاصل ہو کیوں کہ سامراجیات کا مطلب اپنے تصرف سے باہر کی، دور دراز اور دوسروں کی زیر ملکیت زمین کے متعلق سوچنا، وہاں آباد اور قابض ہونا ہے۔“(۱)

نو آبادیات کی تاریخ میں دیکھا جائے تو مصر کے فرعونوں نے ملک میں محض اجرام بنانے کے لیے بہت ساری قوموں کو پامال کر دیا تھا۔Golden Crecent کی قوم نے صرف اپنے دیوتا کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر دوسری اقوام کے لوگوں کو اپنے معبد کے سامنے لا کر ذبح کیا۔ شروع سے ہی متحرک معاشرہ سوئے ہوئے معاشرے پر حاوی رہا ہے۔ عیسائی دور کی بات کی جائے تو مغرب کا جاگیر داری قدیم نظام جنگجو، کلیسا اور محنت کش طبقہ پر محیط تھا۔ یہ طبقہ زرعی خدمات سرانجام دیتا تھا۔ چرچ کو زمینوں اور پیداوار سے حصہ پیش کیا جاتا اور امر افوجی مدافعت کے ذمہ دار ہوتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک سو سال بعد عیسائی رومن تہذیب پر حاوی ہو گئے مگر یہودی جبر کے خلاف جو آواز بلند تھی وہ رفتہ رفتہ دینے لگی جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت عیسائیوں کو غریبوں سے کوئی لگاؤ نا رہا تھا۔ جہاں غلاموں کی کمی محسوس ہونے لگی تو وہی کسانوں کو غلام بنا کر پیش کیا جانے لگا۔

مسلم عہد میں معاشی نظام کے قیام کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مسلم دور میں غلامی کے تصور کو بالکل ختم کر دیا گیا تھا۔ گھریلو غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں بارہا کہا جاتا رہا اس کے ساتھ اس کو برابری کا درجہ دینے پر بھی توجہ دلائی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے اور باہمی اتحاد ہی دنیا کی فتح و کامیابی کے لیے اہم شرط قرار دی گئی۔ اسلام کے اس فلسفہ نے ہی

مسلمانوں کو مضبوط اور طاقت ور ریاستوں پر فتح دلائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مسلمانوں کو بہت سی فتوحات نصیب ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں وسیع علاقوں کے وسائل و مسلم فتوحات سے جو مال غنیمت خاص ہوا اُس سے اس عہد میں خوش حالی اس قدر بڑھ گئی کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور امداد دینے کے لیے غریب افراد ہی نہیں ملتے تھے۔ عیسائیت اور اسلام کے درمیان جب صلیبی جنگ کا آغاز ہوا تو اس جنگ نے تجارت میں ایک نئی جان ڈال دی۔ نو آبادکاری نظام کے قیام کے لیے مغربی لوگوں نے بڑی تعداد میں مسلمانوں سے بیت المقدس چھیننے کے لیے براعظم ایشیا کا بحری سفر کیا۔ انہوں نے جنگجوانہ جذبات کو جگایہ اور مفتوح اقوام کو عیسائی بنانے کی پوری کوشش کی گئی جس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ کلیسا کو عیسائی بڑھانے میں اقتدار کے ساتھ دولت کے وسیع وسائل بھی دیکھائی دے رہے تھے۔ ہندوستانی عہد میں نو آبادیات کا آغاز برطانوی اقوام کی آمد سے ہوا:

> ”یہ بھی حقیقت تھی کہ اس وقت سیاسی اور معاشی طاقت کا توازن بگڑ کر انگریزوں کے ہاتھوں میں جا چکا تھا۔ ہندوستانی سیاست و معیشت تباہ ہو چکی تھی جب کہ برطانیہ میں سرمایہ دارانہ ترقی بہت آگے جا چکی تھی۔ سیاسی معاشرتی طور پر مضبوط ہونے کے بعد کمپنی کے سیاسی و ثقافتی عزائم میں تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اب اس کے ملازمین نے مقامی لوگوں سے دوری اختیار کی اور خود کو اعلیٰ تہذیب کا نمائندہ کیا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ بہترین مذہب بھی انہی کے پاس ہے۔ مشنریوں کو اجازت دی گئی کہ ہندوستان کو عیسائی بنایا جائے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ مذہبی مناظرے کیے گئے ایسا پراپیگنڈہ اختیار لیا گیا کہ ہندوستانیوں کو دوسرے درجے کے شہری ہونے کا بھی حق نہیں تھا۔“(۲)

ہندوستان میں نو آبادیاتی تمدن کی اصطلاح کی بات کی جائے تو یہ منفی رجحان کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس میں حاکموں کی زبان کو وہاں کے لوگوں پر مسلط کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں نو آبادیاتی تمدن کے تحت محکوم اقوام کی منتقلی روایات، فوجی طاقت اور اختیارات کے ذریعے ہوتی رہی۔ ہندوستان میں نو آبادیاتی کا آغاز ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہوا۔ جنہیں وہاں کی تہذیب طلسماتی معلوم ہوتی تھی۔ ہندوستان میں قابض ہونے کے لیے انہوں نے وہاں کے اطوار اپنا کر ان لوگوں کو جانے کی کوشش کی اور ہندوستان کی عورتوں سے شادیاں کیں۔ لیکن جیسے جیسے انگریز سیاست میں آئے اور خود کو مضبوط پایا تو یہی لوگ اور تہزیب ان کے لیے کم تر اور پسماندہ ہو گی۔ ہندوستان میں نو آبادیات کی ایک بہترین مثال ڈاکٹر ریاض ہمدانی یوں پیش کرتے ہیں:

> ”برطانیہ نے دنیا کے مختلف ممالک کی نو آبادیوں کے وسائل کو مختلف انداز میں لوٹ کر صنعتی انقلاب کے لیے راہیں ہموار کیں۔ جب تجارتی سرمایہ صنعتی سرمائے میں بدلا تو صنعتی پیداوار میں بہت اضافہ ہوا۔ کثیر صنعتی پیداوار کی وجہ سے منڈی کی ضرورت پیش آئی تو ہندوستانی صنعت ختم کر دی گئی۔ کاریگروں پر ظلم کیے گئے تا کہ مقامی صنعت تباہ ہو اور ہندوستانی منڈی پر برطانوی راج ہو۔ دنیا کا سب سے سستا خام مال

ہندوستان ہی کا تھا جو انگریزوں کی نو آبادی تھی۔ اس طرح برطانوی صنعت کے لیے پیداوار اخراجات نہ ہونے کے برابر تھے اور برطانوی سرمایہ دار مضبوط پیدا۔"(۳)

محمد حفیظ خان کے ناول "ہر ایک جنم کی جانما" کی بات کی جائے تو انہوں نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کی آمد کے بعد وہاں جو اثرات مرتب ہوئے ان میں بہاول پور شہر اور اس کے گرد و نواح پر جس طرح سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے نو آبادیاتی نظام رائج کیا اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ناول کا انتساب بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ ناول کی کہانی کرتا دیکھائی دیتا ہے۔ یہ کہانی درحقیقت ۱۸۴۸ء کی اور اس کا مرکز بہاول پور شہر ہے۔ بہاول پور ۱۷۴۸ء میں آباد ہوا اور ۱۸۴۸ء میں اس شہر کو بنے ایک سو سال مکمل ہوئے۔ کہانی کا آغاز بہاول پور شہر کے ایک سو سال مکمل ہونے کی تقریب سے ہوتا ہے۔ محمد حفیظ خان نے اس دور کی تقریبات منانے کی بہت خوبصورت تصویر کشی پیش کی ہے کہ کس طرح تقریب میں ہر طرف جشن کا سا سماں ہوتا تھا۔ اس دور میں خوشی کے اظہار کے لیے ریاستی دارالحکومت کی سرکاری اور نجی عمارتوں پر اس قدر دیے جلائے جاتے کہ جو لوگ دیہات سے شہر گھی بیچنے کے غرض سے آتے ان کی اچھی خاصی کمائی ہو جاتی۔ وہ لوگ بہاول پور کے ایک سو سال مکمل ہونے کی خوشی کی تقریب میں لوگ راگ اس کی محفلیں جماتے اپنی شعبدہ بازی کے کرتب دیکھاتے اس کے ساتھ شمشیر بازی کے مقابلے سمیت پہلوانوں کے دنگل بھی سجائے جاتے۔ مگر پھر جیسے ہی وہاں انگریزوں نے اپنے پاؤں جمانا شروع کیے تو وقت کے ساتھ اس ریاست کے سربراہوں کے حالات واقعات بھی بدلنا شروع ہوئے۔ وہاں دوسری طرف چولستانی قلعہ ڈیراور میں زندگی سست اور ٹھہری ہوئی سی محسوس ہوئی دکھائی گئی ہے۔

محمد حفیظ خان نے ناول کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے اس کے پہلے حصے میں بہاول پور کی سماجی زندگی بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس دور میں بہاول پور کے لوگ کیسے رہتے تھے۔ ان کا دوسرے لوگوں ساتھ میل جول کیسے ہوتا تھا اس دور کی اہم باتیں اور رسم و رواج لوگوں کا رہن سہن ان کے کاروبار سب کو بہت منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ انگریزوں کی آمد کے بعد اپنی طاقت کی بنا پر حکومت قائم کر لینا اور ان کے بعد ریاستوں کو بھی تابع کر کے اپنے مطابق چلانا ان تمام واقعات کو محمد حفیظ خان اپنے ناول میں بیان کرتے نظر آتے ہیں جس کی ایک مثال پیش خدمت ہے:

> "ریڈینٹ ایجنٹ رخصت ہوا تو نواب ایک بار پھر تذبذب میں پڑ گیا کہ ولی عہد کے تقرر کی منظوری دربار بند سے لینے کی صورت میں ریاستی خود مختاری خود اُس کے اپنے ہاتھوں ہی ختم ہو کر رہ جائے گی۔ یہ ایک ایسی نظیر ہو گی کہ جس کے بعد اہم ترین ریاستی امور نواب کے ہاتھوں سے نکل کر براہِ راست گورنر جنرل انگلیشہ سرکار کے مدارِ مقتدرہ میں آجائیں گے۔ ۱۸۳۲ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی چڑھ مار کے بعد اب یہ دوسرا موقع تھا کہ جب ریاست کا وجود خطرے میں پڑ گیا تھا مگر اب بھی انگریز سرکار کے سوا کسی اور سے تحفظ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پہلے پہل جب سکھوں کے خلاف انگریز سرکار سے مدد مانگی گئی تو وہ بیرونی حملہ

آوری کے خلاف تھی جبکہ اب اندرونی امور ریاست سے نمٹنے کے لیے انگریزوں کی اعانت ہی نہیں بلک مداخلت مطلوب تھی جس کے خلاف ۱۸۳۳ء کا معاہدہ تحفظ فراہم کرتا تھا۔"(۴)

اس ناول میں ۱۷۴۸ء سے ۱۸۴۸ء کے دورانیہ میں جو نوابین آئے انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سامنے جس طرح سر جھکایا ان کو اپنے ساتھ ملایا کہ سکھوں کے حملے سے بچا جاسکے اور سکھوں کو دریائے ستلج کے پاس روکا جاسکے ایسٹ انڈیا کمپنی نے جہاں سکھوں کو ریاست سے دور رکھا وہاں نوابین کو بھی اپنا غلام کر لیا۔ اس طرح ملتان کے ساتھ پنجاب پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ محمد حفیظ خان نے اس دور میں کی جانے والی اندرونی درباری سازشوں کو بھی بے نقاب کیا۔ محمد حفیظ خان نے یہ تمام چیزیں فکشن کے طرز پر بیان کی ہیں۔ اس کے ساتھ ناول میں ان بانیلوں کا بھی ذکر ہے جو قلعہ جیسے مقامی زبان میں کوٹ بھی کہا جاتا ہے وہاں رکھی جاتی تھی۔ ریاست کی خوبصورت لڑکیاں نواب کے لیے لائی جاتی تاکہ وہ نواب کے خوبصورت لمحات کو مزید خوبصورت بنا سکے۔

"کیا عورت اور مرد کا ایک دوسرے کو دیکھنا ہی عشق ہوتا ہے یا عشق اس سے کچھ الگ ہوتا ہے کچھ امر ہوتا ہو گا جو دکھائی نہیں دیتا اور اگر عشق دکھائی نہیں دینا تو پھر عشق کرنے والی عورتیں اور کرنے والے مرد قتل کیوں کر دیے جاتے ہیں لوتھ حیران تھا کہ اگر قتل غیرت کے سبب ہوتے ہیں تو یہ غیرت کیا ہوتی ہے پیدا کہاں ہوتی ہے اور جاگتی کیوں کر رہے ہیں غیرت اپنی عورت کے کسی اور سے عشق کرنے پر ہی کیوں جاگتی ہے اپنے خود کے عشق کرنے پر کہاں سو جاتی ہے۔"(۵)

انگریزوں کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ریاست کے نواب خود سیاست پر توجہ دینے کی بجائے عورت کے حسن کے خریدار بن کر رہ گئے تھے۔ ناول میں ان لڑکیوں کی سماجی حیثیت ان کے انتخاب کیے جانے کے عمل کو بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح سے انہیں عام گھروں سے نکال کر کوٹ پہنچا دیا جاتا تھا۔

محمد حفیظ خان نے اپنے ناول کا نام ہی انہیں پر رکھا یعنی کہ "ہر ایک جنم کی جانما" جانما کے معنی حسین لڑکی یعنی کہ ہر دور کی جس لڑکی کس طرح سے اپنے حسن کے ہاتھوں برباد ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا ناول ہے کہ آپ مکمل پڑھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس ناول کے پڑھنے سے بہت سے سوال پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ ہمارے یہاں تاریخ میں کیا کچھ ہوتا رہا؟ یہ سوال تاریخی کے ساتھ سماجی نوعیت کے بھی ہیں۔ نو آبادیاتی دور میں ہندوستانی تاریخ کی بات کی جائے تو ناول کے ذریعے بہت سے سوالوں کے جواب ملتے ہیں جیسے کہ اس دور میں معاشرہ کن اصولوں پر ہم آہنگ تھا، پیداوار کے ذرائع کون سے تھے۔ ریاستی سطح پر نظام کس طرح سے سنبھالا جاتا تھا، عوام کتنی محنتی تھی اور کیا ان کی مصروفیات تھیں، عوام اور نوابین کا آپس میں رابطہ کس طرح سے ہوتا تھا، گھروں میں خواتین کس طرح سے رہتی تھیں، خانگی زندگی کے کیا معیار تھے، معاشرے میں علم، اخلاق اور عقل کے لیے معیار

تھے۔ ریاست پر حملوں کے کیا اثرات مرتب ہوتے اور اندرونی اور بیرونی سازشوں سے ریاست کو کیسے نقصان پہنچتا ان سب کا جواب ہمیں محمد حفیظ خان کے ناول میں ملتا ہے۔

اسی طرح ناول میں بہاول پور کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس دور میں موجود کوتوالوں کے بارے میں بھی بہت واضع انداز میں بیان کیا ہے کہ کس طرح وہ طاقت ور کا ساتھ دیتے اور غریب کی ہر بات اَن سنی کر دیتے۔ بیوت کی کہانی جس میں اس کی سوتیلی ماں اور اس کا بھائی بیوت کے باپ کی ساری جائیداد اپنے قبضہ میں کرنے کی تیاری میں لگے ہوتے ہیں اور جیسے ہی بیوت کا باپ کہی غائب ہوتا ہے اور کافی ڈھونڈنے کے بعد جب نہیں ملتا تو اسے مرا ہوا قرار دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی ساری جائیداد پر سوتیلی ماں کا بھائی افضل قبضہ کر لیتا ہے۔ بیوت کوتوال کے پاس اپنا مسئلہ لے کر جاتا ہے مگر چونکہ افضل پہلے ہی کوتوال کو خرید چکا ہوتا یہی وجہ ہوتی ہے کہ بیوت کو کوتوال کی طرف سے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اور ساری جائیداد افضل کو دے دی جاتی ہے۔ بالا آخر ایک جو بیوت کے پاس بچتا ہے وہ بھی افضل کوتوال کے ذریعے اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے:

> ”بیوت اپنے آپ سے سوال کرتا ہوا گھر تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے گھر کے سامنے افضل غلبلی صورت کے ساتھ کھڑا اول قول بک رہا ہے۔ اس کے ساتھ کوتوالی کے نچلے درجے کے دو باورچی ملازمین اور کچھ محلے والے بھی تھے۔ افضل نے گھر کے دروازے کو باہر سے بند کر کے اُس میں تالا اڑس رکھا تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے باپ کا کاروبار چھین لینے کے بعد اب آخر ایسا کیا رہ گیا ہے جس کے حساب کے لیے وہ کوتوال کے ملازم لے کر پہنچ گیا ہے۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ جس روز پوری ریاست کی موت کا سوگ منا رہی ہے اُسے کہاں سے کوتوالی کے لیے ملازم دستیاب ہو گئے کہ جنھیں ساتھ مار کر وہ اُسے دھمکانے پہنچا ہوا ہے۔“(۶)

تاریخی مناظر میں نو آبادیات کے پس منظر میں اس ناول کے ذریعے محمد حفیظ خان بہاول پور کی تاریخ کے بہت سے پس پردہ حقائق قارئین کے سامنے لانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ فکشن کو جہاں جھوٹ ہوتے ہوئے بھی سچ مانا جاتا ہے وہی ناول نگار نے اس فکشن کے ذریعے سچ کی ذریعے تاریخ کے جھوٹ افشار کیے ہیں۔ محمد حفیظ خان نے جس اپنے باقی ناولوں میں تاریخ کے واقعات بیان کیے ہیں ان کا یہ ناول کی حقیقت کی گواہی دینا نظر آتا ہے:

> ”ناول میں زندگی کا حقیقت پسندانہ اظہار ملتا ہے یہاں ہمیں زندگی کی سچی اور صحیح تصویریں نظر اتی ہیں یہ تصویریں خیال ہی نہیں ہوتی اس لیے کہ ناول کے لیے زندگی کی ترجمانی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔“(۷)

ناول میں دو کہانیاں متوازی چلتی ہیں: نوابوں کے دربار اور حرم سرا (کوٹ) کی سیاست، سازشیں اور عورتوں کی قید یاسمین (ایک خوبصورت، ذہین لڑکی) اور ہوّت (ایک آزاد چولستانی نوجوان) کا افلاطونی عشق یاسمین کو محلاتی سیاست کے ذریعے

نواب کے حرم میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ یہاں اس کی شخصیت، آزادی اور محبت قربان ہوتی ہے۔ ہوّت کا عشق معاشرتی حدود سے ٹکراجاتا ہے اور دونوں کردار استعمار زدہ ریاست کی ثقافتی غلامی کا استعارہ بن جاتے ہیں:

"نواب کے دربار میں فیصلے کم، فرمان زیادہ ہوتے تھے، جن کی زبان اکثر دہلی سے نہیں لندن سے نکلتی تھی۔"(۸)

یہ ایک نو آبادیاتی حقیقت تھی کہ انگریز طاقت مقامی حکمرانوں کو استعمال کر کے اقتدار پر قابض تھی، اور یہی صورت ناول میں دکھائی گئی ہے۔ نو آبادیاتی نظام صرف زمینوں یا دولت پر قبضہ نہیں کرتا، بلکہ انسان کی شناخت اور آزادی کو بھی چھین لیتا ہے۔ عورت خاص طور پر اس نظام میں دوہری غلامی کا شکار ہوتی ہے: مرد کے جبر کی اور استعماری سازشوں کی۔ یاسمین کی قید صرف ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک تہذیب کی گرفتاری ہے، جو استعمار کے ہاتھوں بے بس ہے۔

نو آبادیاتی دور میں اشرافیہ طبقہ مغربیت سے مرعوب ہو کر اپنی ثقافت سے بیگانہ ہو گیا۔ نواب اور ان کے وزراء انگریزی لباس، زبان اور طرزِ فکر اپنانے لگے جبکہ عام لوگ اپنے ورثے کے ساتھ کھڑے رہے۔ ایڈورڈ سعید کے مطابق:

"Colonialism colonizes not just land, but also minds."(9)

نواب کی درباری زندگی اور حرم کا مصنوعی پن، اس فکری غلامی کی بہترین تصویر ہے۔ ناول میں سرائیکی بولی، اردو، اور فارسی کے الفاظ کی آمیزش ہے، جو ثقافتی ہم آہنگی کو دکھاتی ہے۔ مگر ریاستی اور نو آبادیاتی زبان (انگریزی) کا عدم توازن بتاتا ہے کہ زبان کو بھی ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا:

"جب دربار میں انگریزی بولی جاتی، تو یاسمین کے دل میں ایک اجنبیت اُترتی۔ یہ اس کی دنیا نہیں تھی۔"(۱۰)

نو آبادیاتی دور میں مقامی معاشرتی ڈھانچے، روایات، اور اقدار کو مغربی طاقتوں نے بڑی مہارت سے اپنے مفاد کے لیے تبدیل کیا۔ "ہر ایک جنم کی جانما" میں، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح نوابوں نے انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنے اقتدار کو مستحکم کیا، مگر یہ اتحاد مقامی ثقافت اور عوام کے لیے تباہ کن ثابت ہوا:

"نو آبادیات پر زبردستی اصلاح کے نام سے ٹھونسی گئی ثقافت دراصل ان کی تہذیبی حوالے سے جڑوں کو کھوکھلا کرنے کے مترادف تھا تاکہ وہ اپنی زبان اپنی تہذیب کلچر تعلیم اقدار اور روایات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جائیں۔"(۱۱)

ثقافتی شناخت کا بحران: مصنف نے ان کرداروں کے ذریعے استعمار کے اثرات کو واضح کیا ہے۔ جیسے یاسمین کا حرم میں قید ہونا ایک ثقافتی اذیت ہے۔ وہ ایک طرف نوابوں کے جبر کا شکار ہوتی ہے، اور دوسری طرف اپنے حب و محبت کے جذبے کی شکست

کھاتی ہے۔ عورتوں کی آزادی: حرم میں قید خواتین کی زندگی استعمار کے دباؤ کا شکار ہوتی ہے، اور ان کے جسم و روح کو زبردستی قابو کیا جاتا ہے۔

محمد حفیظ خان نے ناول میں نو آبادیاتی نظم و نسق کے اثرات کو دکھاتے ہوئے حقیقت کی گہرائی کو اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری کو نہ صرف اقتدار کی حقیقت بلکہ اس کے سماجی اثرات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ نو آبادیاتی نظام کا بحران: انگریزوں کے زیرِ اثر مقامی معاشرتی نظام نے اپنی حقیقت اور ساکھ کو کھو دیا تھا۔ مصنف نے اس کے اثرات کو بیان کیا ہے جس کے ذریعے مقامی سیاست اور ثقافت میں زوال آیا۔ نفسیاتی اور ثقافتی بگاڑ: ناول میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح استعمار کے اثرات نہ صرف جسمانی سطح پر بلکہ ذہنی اور ثقافتی سطح پر بھی انسانوں کو متاثر کرتے ہیں. نواب کے تخت کا ایک طرفہ حسن تھا، جس میں سچائی کا کوئی حصہ نہیں تھا، بس اقتدار کی گھنٹی بجتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔ سعید، ایڈورڈ، ثقافت اور سامراج، مترجم: یاسر جواد، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۰ء، ص:۲۰
2۔ ریاض ہمدانی، ڈاکٹر، اُردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۸ء، ص:۴۶
3۔ محمد حفیظ خان، ہر ایک جنم کی جانما، لاہور: مکتبہ جدید پریس، ۲۰۲۴ء، ص:۸۳
4۔ ایضاً، ص:۲۲
5۔ ایضاً، ص:۶۶
6۔ ایضاً، ص:۸۳
7۔ محمد حفیظ خان، ہر ایک جنم کی جانما، لاہور: مکتبہ جدید پریس، ۲۰۲۴ء، ص:۲۳
8۔ ایضاً، ص:۵۶
9۔ ایضاً، ص:۳۲
10۔ محمد حفیظ خان، ہر ایک جنم کی جانما، لاہور: مکتبہ جدید پریس، ۲۰۲۴ء، ص ۸۳
11۔ اشرف کمال، ڈاکٹر، تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۶ء، ص:۱۱۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Saeed, Edward, Saqafat aur Samraj, mutarjim: Yasir Jawad, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zaban, 2010, P:20
2. Riaz Hamdani, Dr., Urdu Novel ka No-Abadiyati Mutala'a, Lahore: Fiction House, 2018, P:46
3. Muhammad Hafeez Khan, Har Ek Janam Ki Janma, Lahore: Maktaba Jadeed Press, 2024, P:83
4. Ibid., P:22
5. Ibid., P:66
6. Ibid., P:83
7. Muhammad Hafeez Khan, Har Ek Janam Ki Janma, Lahore: Maktaba Jadeed Press, 2024, P:23
8. Ibid., P:56
9. Ibid., P:32
10. Muhammad Hafeez Khan, Har Ek Janam Ki Janma, Lahore: Maktaba Jadeed Press, 2024, P:83
11. Ashraf Kamal, Dr., Tanaqidi Theory aur Istalahaat, Faisalabad: Misaal Publishers, 2016, P:111